

جامعہ حقانیہ کاترجمان

سہ ماہیہ

مہر گودھا

الحقانیہ

مجلد

ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ اپریل ۲۰۱۰ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور رزمی قدس سرہ

فہرست

3	وطن عزیز میں دہشت گردی کا لہر..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
6	درس قرآن کریم..... " " " "
9	درس حدیث..... مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
11	مفقوئیات حکیم الامت رحمہ اللہ..... از قلم حضرت مولانا امیر الحق صاحب رحمہ اللہ
13	اصلاحی مکاتیب..... فقید العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
15	مدارس و بیہ کالصاب تعلیم..... فقید العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
22	مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی تاریخ کے آئینے میں..... حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
34	اپرٹل فول..... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
38	احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا معجز تحقیقی جائزہ.... مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی
44	تعارف کتب..... ع-ن-ت
46	اخبار الجامعہ..... مولانا محمد آصف چنیوٹی
48	نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... فہیم ترمذی

☆☆☆☆☆☆



وطن عزیز میں دہشت گردی کی لہر

گزشتہ چند دنوں سے ایک مرتبہ پھر وطن عزیز میں دہشت گردی اور دھماکوں کا سلسلہ جاری ہے، ملک کا سب سے بڑا شہر کراچی اور صوبہ پنجاب کا مرکز لاہور بطور خاص اس دہشت گردی اور دھماکوں کی زد میں ہے، اخباری تفصیلات کے مطابق کراچی میں ملک کے ممتاز اور جدید عالم دین حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اٹھارہ سالہ بیٹے اور دو ساتھی نیز مولانا عبدالغفور صاحب ندیم مرحوم اور ان کے بیٹے کو بھی شہید کر دیا گیا۔

ادھر فیصل آباد میں ۱۲ ربیع الاول کے اجلاس میں شریک حضرات نے دینی ادارہ جامعہ قاسمیہ پر حملہ کر کے حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کو آگ لگا دی اور قیمتی کتب خانہ جلا کر غنیمت نقصان پہنچایا۔

اسی طرح لاہور میں متعدد دہم دھماکوں سے سارا شہر لرز اٹھا اور ناقابل تلافی جانی و مالی نقصان ہوا، کینٹ کے علاقہ آرے بازار میں یکے بعد دیگرے دو خودکش حملوں میں حساس ادارے کے آٹھ اہلکاروں سمیت ۵۸ افراد جاں بحق اور ۱۲ زخمی ہوئے، علامہ اقبال ٹاؤن سمن آباد اور شادمان میں بھی آٹھ دھماکے ہوئے جس سے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا، سرتن ہمد داغ داغ شدہ پٹریہ کجا کجا نیم والا معاملہ ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پاکستان گزشتہ آٹھ سال سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ بہادر کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں خود بھی دہشت گردی کا شکار ہو چکا ہے، اور اس جنگ میں اس کا ۳۵ ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا ہے، ملک کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے، امریکہ بہادر نے پاکستان سے ہمدردی اور امداد دینے کا وعدہ تو کیا لیکن ملک کے تعاون کی بجائے اپنے وکلاء کا تعاون کیا، اور انہیں خوب داد و بخش سے نوازا، مگر افسوس کہ دہشت گردی ختم ہونے کی بجائے اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اس کی بنیادی اور اصل وجہ امریکہ بہادر کی اطاعت، فرمانبرداری



اور اپنی غلط پالیسیاں ہیں، ہمارے ملک کے ذمہ دار جب تک امریکہ کی غلامی اور اپنے ذاتی مفادات سے دست بردار نہیں ہوں گے اس وقت تک بظاہر حال ملک کے حالات کا بہتر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے، ایک ہی مکتبہ فکر کے علماء کرام کا ناحق قتل اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے ملک میں انتہائی افسوس ناک اور قابل مذمت ہے، ملک و ملت اور دین کے دشمن عناصر وطن عزیز میں مذہبی انتشار اور مختلف مکاتب فکر میں باہمی جنگ کے ذریعہ اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اس لئے سب حضرات کو یہ حقیقت مد نظر رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم پر ہمارے وطن اور پورے عالم اسلام پر رحم فرماویں اور ہمارے حالات کو بہتر فرماویں آمین۔

مولانا جلال پوری کی شہادت

حضرت مولانا سعید صاحب جال پوری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف ماہنامہ بینات کے جاندار اور وسیع اداریے اور حضرت مولانا لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ناؤن نیز عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے مشہور عالم تھے، حق تعالیٰ نے انہیں بڑی مقبولیت اور شہرت عطا فرمائی، ان کی دینی خدمات کا دائرہ صرف درس و تدریس تک محدود نہ تھا بلکہ ملک و ملت کو درپیش مسائل و معاملات پر بھی ان کی وسیع نظر تھی، خاص طور پر ملک میں اٹھنے والے نئے سے نئے فتنوں کا انہوں نے خوب تعاقب فرمایا اور ہمیشہ دلائل کی طاقت سے ان کی تردید کی اور امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائیں، ان کے درجات بلند فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو ہر اور اجر جزیل سے نوازیں۔

حضرت مولانا مرحوم خالص علمی تحقیقی مزاج کے آدمی تھے اور ختم نبوت کے محاذ پر ان کی خدمات نہایت وسیع اور ناقابل فراموش ہیں، ان کی اور ان کے بیٹے کی شہادت کے ظاہری اسباب محرکات کیا ہیں؟ ان کی تحقیق جاری ہے لیکن اتنی بات واضح ہے کہ جن ظالموں نے یہ حرکت کی ہے نہ صرف یہ کہ وہ ملک کے دشمن ہیں بلکہ حضرات علماء کرام سے بھی انہیں خدا واسطہ کا پیر ہے، ایسے ظالموں اور دشمنوں کی شناخت اور انہیں قرار واقعی سزا دینا حکومت کے ذمہ دار افراد پر فرض ہے، اے کاش وہ جلد اپنے اس فریضہ سے سبکدوش ہوں تاکہ علماء کرام کے قتل کا یہ



نہایت مکروہ اور انتہائی قابل نفرت سلسلہ بند ہو سکے۔

احقر کو حضرت مولانا مرحوم سے زیادہ ملنے اور ان سے براہ راست استفادہ کا زیادہ موقع نہیں مل سکا، صرف چند ہی ملاقاتیں ان سے ہوئیں لیکن ان کا اثر آج تک قلب میں محسوس ہوتا ہے احقر نے پہلی مرتبہ انہیں اس وقت دیکھا جب جامعہ دارالعلوم کراچی میں پچاس سالہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، مولانا مرحوم حضرت والد صاحب قدس سرہ کی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کیلئے تشریف لائے تھے، حضرت سے مل کر ان کی سادگی اور بے تکلفی اور اپنے اکابر سے ان کی عقیدت و محبت کو دیکھ کر بہت ہی متاثر اور مسرور ہوئے اور پھر ان کی وفات پر بھی انہوں نے بیانات کے ادارہ میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔

دوسری مرتبہ سرزمین حرم مکہ معظمہ بلکہ مسجد الحرام میں ان سے ملاقات اور تعارف ہوا، احقر کے ساتھ وہ بڑی عنایت و محبت سے پیش آئے ابھی دو سال قبل الجامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں منیٰ مزدلفہ میں قصروا تمام کے مسئلہ پر حضرات علماء کرام کا اجتماع ہوا تو وہاں بھی ان سے ملاقات اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات کی اشاعت پر ان سے گفتگو ہوئی۔

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صغدر قدس سرہ کے جنازہ پر ہونے والی ملاقات ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرماویں اور ان کے فیض کو ہمیشہ جاری رکھیں آمین۔

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ



مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

تیسری وجہ

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیب کی اور آنکندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں، اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلے میں ابتداءً اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر رومی اہل فارس پر غالب آ جائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آ گئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی، اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط کی تھی، وہ مال ان کو دینا پڑا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا، کیونکہ وہ ایک قسم کا جوا تھا، اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں، اور ان کی سچائی بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے کا ماہر سمجھے جاتے تھے ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتداءً دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبریں دی ہوں۔



پانچویں وجہ

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس کی متعدد آیات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور پھر ان کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والشہادۃ ہی کر سکتا ہے، کسی بشر سے عاویہ ممکن نہیں، مثلاً ارشاد قرآنی ہے، اذھمت طائفتن منکم ان نفشلا (۱۲۴، ۳) جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہو جائیں۔

اور یہ ارشاد کہ بقولہون فی انفسہم لولا یعذبنا اللہ بما نقول (۸، ۵۹) وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا، قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا۔

چھٹی وجہ

چھٹی وجہ اعجاز قرآنی کی وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشین گوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کر سکیں گے، اور پھر وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کر سکے، جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کے دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہیے، وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں۔

اور پھر ارشاد فرمایا: ولن یمنوا ابداً (۹۵: ۲) وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کر سکیں گے۔ موت کی تمنا کرنا کسی کے لئے مشکل نہ تھا، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے، قرآن کے ارشاد کی وجہ سے ان کو تمنائے موت میں خوف ہراس کی کوئی وجہ نہ تھی یہود کے لئے تو مسلمان کو شکست دینے کا یہ موقع بڑا غنیمت تھا فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس و محفل میں اعلان کرتے۔ مگر یہود ہوں یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے، اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی، اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے تو فوراً



مر جائیں گے اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کر دے۔

ساتویں وجہ

ساتویں وجہ وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص و عام اور مؤمن و کافر پر طاری ہوتی ہے، جیسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری آیات پر پہنچے تو جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا دل کوپا اڑنے لگا، اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل اسلام نے اثر کیا، وہ آیات یہ ہیں:

ام خلقوا من غیر شئ ؕ ام هم الخلقون ام خلقوا السموات الارض

بل لا یوقنون ام عند ہم خزائن ربک ام هم المصیطرون (۳۵:۵۲-۳۷)

کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ، یا وہی ہیں بنانے والے، یا انھوں نے بنائے ہیں آسمان اور زمین کوئی نہیں، پر یقین نہیں کرتے کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروند ہیں۔

آٹھویں وجہ

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اکتا نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے، دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے، پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی اس کو زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی اس کو شوق و رغبت بڑھتا جاتا ہے، یہ بھی قرآن کے کلام الہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

(معارف القرآن ص ۱۵۴)



مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

صحیح مسلم ہی کی اسی حدیث کی دوسری روایت کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مضبوطی سے ان احکام پر عمل کرتا رہا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔

اس حدیث کی روایت میں تین جگہ راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ ناقہ کی مہار کے لئے اوپر کے راوی نے خطاط کا لفظ بولا تھا یا زمام کا۔

(۲) دوسرے یہ کہ سائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے یا

رسول اللہ کہا تھا یا یا محمد۔

(۳) تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بابت صحابہ سے لقد وفقی کہا تھا

یا لقد ہدی۔

راوی کے اس اظہار شک سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے راویان حدیث نقل حدیث و روایات میں کس درجہ محتاط اور خداترس تھے کہ تین جگہ صرف لفظوں میں ان کو شک ہے کہ اوپر کے راوی نے یہ لفظ بولا تھا یا یہ لفظ بتو اپنے اس شک کو بھی ظاہر کر دیا حالانکہ تینوں جگہ معانی میں خفیف سی کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوتی تھی۔

(۴) اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پیغمبرانہ کا بھی کچھ

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ سفر میں ہیں ناقہ پر سوار چلے جا رہے ہیں (اور ظاہر ہے کہ آپ کا سفر یقیناً کسی دینی مہم ہی کے سلسلہ کا سفر ہوگا) اثناء راہ میں ایک بالکل نا آشنا بدوی سامنے آ کر ناقہ کی مہار پکڑ کے کھڑا ہو جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کرنے والی بات بتلاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس طرز عمل سے ناراض نہیں ہوتے بلکہ اس کی دینی حرص کی ہمت افزائی فرماتے ہیں اور اپنے رفقاء سفر کو متوجہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کو اچھی



توفیق ملی پھر اپنے ان رفیقوں کو بھی سائل کی زبان ہی سے اس کا سوال سنوانے کے لئے اس سے فرماتے ہیں ذرا پھر کہو تم نے کیسے کہا؟ اس کے بعد جواب دیتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں دع النافقة (اچھا اب ہماری ناقہ کی مہار چھوڑ دو) اللہ اکبر پیغمبری کیا ہے شفقت و رحمت کا ایک مجسم پیکر ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعة رحمته ورافته) مگر یہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ سائل ایک عربی تھا۔ مع موسیٰ آداب دانا دیگر اند۔

(۶) عن طلحة بن عبيد الله قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد ثائر الراس نسمع دوى صوته ولا نفقه ما يقول حتى دنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا هو يسئل عن الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات في اليوم و الليلة فقال هل على غيرهن فقال لا الا ان تطوع قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وصيام شهر رمضان فقال هل على غيره فقال لا الا ان تطوع قال وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكوة فقال هل على غيرها فقال لا الا ان تطوع قال فادبر الرجل وهو يقول والله لا ازيد على هذا ولا انقص منه فقال افلح الرجل ان صدق۔

(رواه البخاری و مسلم)



مرسلہ: محمد صدیق عقیل اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم: حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب حقی الفصحیح: مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما

○ کرنال کے ایک نواب زادہ کا خط آیا تھا اس میں جواب کے لیے صرف نکتہ رکھا تھا پتہ لکھا ہوا لٹافہ نہ تھا اور حضرت اقدس کا معمول یہ ہے کہ ایسی صورت میں پتہ اپنے قلم مبارک سے تحریر نہیں فرماتے ہیں بلکہ خط کے اس حصے کو جہاں کا تب نے اپنا پتہ خود لکھا ہے اوپر کر کے نکتہ چسپاں فرما دیتے ہیں تاکہ پتہ میں کسی قسم کی غلطی کا بھی احتمال نہ رہے اور کا تب کو یہ تنبیہ بھی ہو جائے کہ بلا ضرورت وہاں استحقاق اپنے کام کا بار دوسروں پر نہ ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ نواب صاحب کے خط کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا اور اس پر یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر خود لٹافہ لکھ دیا جاتا تو مجھ کو بھولت ہوتی۔ پھر فرمایا کہ ان کے لیے یہی جواب مناسب ہے اور اصلاح کے لیے یہی کافی ہے البتہ عام طور پر یہ لکھا کرتا ہوں کہ اگر لٹافہ ہوتا تو مجھ کو تکلیف نہ ہوتی۔

اس واقعہ پر وصل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے نواب صاحب کے لیے اپنا لٹافہ غالباً اس وجہ سے خرچ نہیں کیا کہ ان کی اصلاح بھی ہو جائے کہ دوسرے کو خط لکھا جائے تو لٹافہ پر پتہ خود لکھنا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہم آپ کی نوابی اور ریاست سے متاثر نہیں ہوتے ہیں کہ دب کر بے اصول کام کریں اس طریقہ سے علماء کا وقار قائم رہتا ہے۔ البتہ ان کی نوابی کی اس قدر رعایت ضرور فرمائی کہ نسخہ حسب مزاج نرم تجویز فرمایا گیا چنانچہ تکلیف کا اظہار بھی نہیں کیا البتہ دوسری شق میں راحت کا ہونا بتلادیا۔ یہ سن کر فرمایا کہ جی ہاں یہی مصلحتیں ہیں جن کی طرف ہر ایک کا ذہن بھی نہیں جاتا اور میں ہر مقام پر کہاں تک اسرار و مصالح بیان کروں اور کچھ ضرورت بھی نہیں اور اعتراض سے بچنا یہ کوئی ضرورت نہیں۔

○ فرمایا ابن القیم اور ابن تیمیہ دونوں استاد شاگرد بہت سے مسائل میں متفرق ہیں یہی وجہ



ہے کہ جمابیر علماء ان سے خوش نہیں لیکن باوجود اس کے خود علماء ان کے علم و فضل کی بہت عظمت کرتے ہیں۔

ایک عالم صاحب سے کسی نے ان کے متعلق دریافت کیا کہ یہ دونوں بزرگ کس پایہ کے تھے؟ انہوں نے ایک عجیب عنوان سے جواب دیا کہ علمہما اکثر من عقلہما یعنی ان دونوں بزرگوں کا علم و فضل ان کی عقل و اجتہاد سے زیادہ ہے اس جواب سے ان کا صحیح درجہ بھی بتا دیا کہ ان کی نقل تو معتبر ہے مگر ان کا اجتہاد جمہور کی مخالفت میں غیر معتبر ہے اور ان کے علم کے احترام کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ورنہ اس مضمون کو دوسرے مجددے عنوان سے بھی بیان کیا جاسکتا تھا مثلاً عقلہما اقل من علمہما اس اختیار فرمودہ عنوان سے جہاں علم کی عظمت معلوم ہوئی وہاں عقل کی قلت کی جانب بھی لطیف اشارہ ہو گیا اور دوسرے عنوانات سے یہ بات حاصل نہ ہوتی۔

○ ایک صاحب نے سماع موتی کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا کہ اہل کشف تو عموماً سماع موتی کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں میں انہیں کا معتقد ہوں۔ کیونکہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتی بنتے ہیں۔

دیکھیے حدیث میں صاف وارد ہے وائے لیسمع قرع نعالہم یعنی مردہ کو رستان میں آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور خبر واحد موجب ظن ہی ہو سکتی ہے۔

○ ایک گفتگو کے دوران میں فرمایا فقہاء جن کو خوف خشک کہا کرتے ہیں وہ کس قدر ادب کی بات فرماتے ہیں ہر شخص کی میت کے ساتھ وہ معاملہ کرنا چاہیے جو اس کے ساتھ اس کی حیات میں کرتے ہیں۔ مثلاً زندگی میں یہ شخص ازراہ ادب ان سے جتنے فاصلے سے بیٹھا کرتا تھا اس کی قبر سے بھی اتنا ہی فاصلہ رکھنا چاہیے فقہاء حکمائے اسلام میں سے ہیں وہ خشک چھوڑا ہی تھے انہوں نے جہاں زیادہ روک تھام کی ہے عوام کی اصلاح کے لیے کی ہے۔

(اسعد الابرار)



فقیر العصر حضرت مفتی سید عبدالغفور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکتب

سالکین کی غلطی اور حضرت فقیر العصر رحمہ اللہ کی جوابات

حال: کیا قرآن حدیث سے یہ ثابت ہے کہ کسی نیک ہستی کو باقاعدہ طور پر پیر بنایا جائے، جہاں تک علم دین کا تعلق ہے وہ تو بغیر مرید ہوئے بھی حاصل کر سکتے ہیں تو یہ مرشد کیوں بنایا جاتا ہے۔

ارشاد: طریقت یعنی سلوک و احسان یا تزکیہ نفس بھی شریعت مطہرہ کا ایک حصہ ہے یہ کوئی شریعت سے الگ نہیں ہے، قرآن کریم نے تزکیہ نفس پر بہت زور دیا ہے اور اسی شخص کو کامیاب قرار دیا جس کا تزکیہ یعنی امراض باطنہ سے نفس کو پاک کر لیا ہے چنانچہ ارشاد ہے قد افلاح من تزکیٰ موفی مقام آخر قد افلاح من زکّٰہا وقد خاب من دسّٰہا (پ ۳۰) قرآن کریم کی نصوص اور احادیث طیبہ بطور خاص حدیث جبریل سے واضح ہے کہ نفس کی اصلاح فرض ہے اس کی تعبیر طریقت تصوف یا سلوک و احسان سے کی جاتی ہے جس کا آسان عنوان تعمیر الظاہر والباطن ہے یعنی انسان کی ظاہری حالت بھی شریعت کے تابع ہو اور باطنی کیفیت بھی اس کے مطابق ہو، ظاہری باطنی رذائل سے انسان دور اور خصائل سے معمور ہو، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں وہ سب شکیبہ کو بطور خاص ذکر فرمایا ہے، عادیۃ اللہ یہی ہے کہ جب تک کوئی مزی نہ ہو تو تزکیہ نہیں ہوتا اسی لئے علماء کرام اور مشائخ عظام کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے نفس کے تزکیہ کیلئے کسی ماہر شریعت و طریقت عامل بالسنۃ کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر تزکیہ نفس کے مقصد کو حاصل کر لیا جائے ان سے اصلاحی تعلق قائم کر لیا جائے اور اطلاع و اتباع کے اصول پر کاربند ہو کر تزکیہ نفس جیسے عظیم مقصد کو حاصل کر لیا جائے چونکہ عام طور پر یہ مقصد کسی ماہر شیخ طریقت اور عارف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے حصول میں ان کا انتخاب ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے باقاعدہ بیعت ہونا اس کیلئے کوئی شرط نہیں ہے لیکن اس سے برکت کی امید بہت زیادہ ہے اور یہ طریقہ سنت بھی ہے۔ شیخ کا صاحب کشف ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی کشف

کوئی اختیاری چیز ہے اور یہ کوئی کمالات میں سے بھی نہیں ہے اصل چیز شریعت مطہرہ پر عمل اور اتباع سنت ہے۔ پھر چونکہ عادتاً ایک ہی شخص پر اعتماد سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اس لئے کسی ایک ہی شخص کو جس میں مذکورہ صفات ہوں شیخ بنانا چاہئے ہر ایک سے معلومات حاصل کرنا الگ چیز ہے لیکن اصلاح کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایک ہی ہستی پر اعتماد کیا جائے۔

حال: مخدومی المکرم بندہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بڑے بڑے عالی درباروں سے محروم رہا اور ایسا محروم دنیا میں شاید کوئی نہیں ہوگا۔ بندہ حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ سے بیعت ہوا حضرت کے بعد حضرت اقدس مولانا سید شمس الحق صاحب افغانیؒ سے بیعت ہوا حضرت افغانی کے بعد خط و کتابت حضرت اقدس مولانا مرشدی ذاکر عبدالحی صاحب عارفی کے ساتھ ہوتی رہی۔ لیکن یہ گنہگار جس جگہ پہلے دن تھا اسی جگہ پر کھڑا ہے یہ صرف میرا اپنا قصور ہے دریا کی فیاضی میں بالکل کمی نہ تھی اب آنجناب سے دست بستہ عرضی پیش کرنا ہوں بندہ پر امید ہے آنجناب کے در فیض سے محروم نہ ہوگا اور اپنے قدموں میں ضرور جگہ عنایت فرما دیں گے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ کے ارشاد فرمائے ہوئے معمول یہ تھے ۵۰ مرتبہ اللہ اللہ، ایک منزل مناجات مقبول اور تہجد کی پابندی اور ایک پارہ تلاوت قرآن پاک۔ حضرت اقدس افغانی کے معمولات تہجد کے بعد ذکر دوازدہ تسبیح اور عشاء کے بعد سورہ الم نشرح ۱۱ دفعہ، سورہ قدر ۱۱ دفعہ، اور مراقبہ۔ اور حضرت اقدس ذاکر صاحبؒ نے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔

ارشاد: حضرات اکابرؒ نے جو معمولات بتلائے ان پر پابندی سے عمل کرتے رہیں اور ”تبلیغ دین“ کا مطالعہ کرتے رہیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ امراض قلب میں سے کونسا مرض پایا جاتا ہے جو مرض محسوس ہو اس کا علاج شروع کر دیا جائے اس طرح لگے رہیں ان شاء اللہ مقصود حاصل ہوگا، مقصود صرف احکام شرعیہ پر پابندی سے عمل کرنا اور معاصی سے اجتناب کرنا ہے اور اس کے سوا کچھ مقصود نہیں ہے، احکام شرعیہ میں ظاہری احکام بھی اور باطنی احکام بھی دونوں داخل ہیں اسی طرح معاصی میں ظاہری اور باطنی گناہ داخل ہے۔ نیز حضرت تھانویؒ کی تسہیل قصد السبیل کا بار بار مطالعہ کرتے رہیں باقی دعاہر حال میں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔



فقیر العصر حضرت مفتی سید عبدالغفور رزوی قدس سرہ

مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم

(قسط ۲)

دین و دنیا کی مخلوط تعلیم

خلاصہ معروضات یہ ہے کہ قدیم نصاب میں ہمیشہ ترمیم ہوتی رہی ہے اور اب بھی اس کے مقصد کو سامنے رکھ کر ترمیم پر غور کیا جانا مناسب ہے مگر غور و خوض میں ایک تو اس کے مقصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے غیر مقصودی چیزیں چاہے وہ کتنی ہی مفید و نافع ہوں وہ ملح نظر نہیں ہونی چاہئیں، کیونکہ ان غیر مقصودی امور کی تعلیم کے لئے ملک میں سرکاری سطح پر بکثرت مدارس کھلے ہوئے ہیں جو ان امور کی تعلیم کے طالب ہیں وہ اس طرف رخ کر رہے ہیں اور سرکاری ملازمتیں اور دنیا ان کا ملح نظر ہے۔ ان دینی مدارس کو بھی دین و دنیا کی مخلوط تعلیم سے عینیک معزز پیٹ ہے کا مصداق نہیں بنانا چاہیے۔ جب ندوۃ العلوم کے مخلوط نصاب کا ذکر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آیا تو فرمایا تھا کہ قضیہ عقلیہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ تابع ارذل کے ہوتا ہے دین و دنیا کے اجتماع کا نتیجہ یہی ہوگا کہ دنیا غالب آجائے گی نتیجہ یہی ہوا۔ جامعہ ملیہ اور پاکستان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے مخلوط نصاب کے اثرات و نتائج ارباب علم کے سامنے ہیں۔

اب وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں جو تبدیلی کی گئی اور حکومت نے اس کی سند کو قبول کر لیا اس کا نتیجہ یہی دنیا کا غلبہ ہی ہو رہا ہے، ہمارے مدارس میں چندوں کے ذریعے ۱۶ سال علم حاصل کر کے سرکاری ملازمتوں کو اختیار کر لیتے ہیں اور دینی مدارس کو جن سے یہ فیض یاب ہو کر اس قابل ہوئے کہ وہ کہیں ملازمت کر سکیں ان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، دینی مدارس کو قابل مدرس دستیاب نہیں ہوتے اہل مدارس قابل مدرسین کی تلاش میں سرگردان پھر رہے ہوتے ہیں، اور ہمارے مدارس کے فضلاء سرکاری مدرسہ کو دینی مدرسے پر ترجیح دیتے ہیں، یہ خالص دنیا ہی ہے مگر اس کا نام معاشی مسئلہ رکھ دیا ہے۔



یہ معاشی مسئلہ ہر زمانہ میں رہا ایک طرف علی گڑھ معزز پیٹ کا مصداق تھا دوسری طرف دارالعلوم دیوبند وغیرہ دینی مدارس مان جویں پر علمی و عملی سبق دے رہے تھے اور سچ دل روشن ہے مثال دیوبند کے مصداق بنانے اور دین کو دنیا پر غالب کرنے کی ترغیب دے رہے تھے، زمانہ کے تقاضے ان حضرات کے سامنے بھی تھے اور مسئلہ معاش ان کے بھی درپیش تھا مگر ان حضرات نے ہر حالت میں دین کو مقدم رکھا اور اسی کی تعلیم فرمائی۔

دوسرے ایسے تجربہ کار مدرسین اور ماہرین تعلیم سے مشورہ کیا جانا چاہیے جنہوں نے اس وادی میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے، صرف اس کا پڑھ لینا ہی مشورہ دینے کے لیے کافی نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز تک اس میدان کی سیاحت بھی ضروری ہے، پڑھنے کے بعد کالجوں، یونیورسٹیوں میں زندگی گزارنے والوں کا تعلیمی تجربہ لیا جانا ان کے دائرہ کار میں ہی مفید ہو سکتا ہے، دینی مدارس کے نصاب کے بارہ میں ان کا مشورہ ایسا ہی ہے جیسے ایک ڈاکٹر سے لاء کالج کے نصاب کے بارہ میں مشورہ لینا۔ اس نصاب کے پڑھنے کے باوجود تمام عمر پڑھانے کی نوبت نہیں آتی پھر ان سے اس بارہ میں مشورہ لینا کیا مفید ہو سکتا ہے یہ سوال نامہ بعض ایسے مشاہیر کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اگرچہ وہ اپنے فضل و کمال کے اعتبار سے عالمی شہرت کے مالک تھے، اور ذہانت و فطانت کے بھی علمبردار تھے، مگر چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھنے کے بعد ان کو ان کتابوں کے پڑھانے اور تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی، انہوں نے دنیوی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اپنی آراء کا اظہار کیا ہے مگر اکثر حضرات کی آراء نصاب قدیم کے مقصد اور موضوع کے مطابق وہ آراء نہیں ہیں۔

درس نظامی کے متعلق چند اہم آراء

(۱) جن اکابر عصر اور ماہرین تعلیم نے تمام عمر اس نصاب قدیم کو پڑھایا اور تحریر و تدریس کے ذریعہ بے مثال خدمات انجام دیں ہیں ان کی ہرگز یہ رائے نہیں ہے کہ کنز الدقائق یا کافیہ جیسی کتابیں درس نظامی سے کم کی جائیں، اور وہ سمجھتے ہیں اور ان کا تجربہ ہے کہ ان کتابوں کے اغلاق اور مضامین کی دشواری سے طلبہ کے اذہان پر صیقل ہو جاتی ہے اور ان کو عادت ہو جاتی



ہے کہ غور کر کے کسی مضمون کو نکال سکیں اور مسائل کے فروق میں غور کر سکیں، کوپا جس طرح جسمانی طاقت کے لیے ورزش کرائی جاتی ہے اسی طرح ذکاوت حاصل کرنے کے لیے یہ کتابیں دماغی ورزش کا ذریعہ ہیں اس میں کمی کرنے سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کا ترجمہ یوں کیا کریں گے ”کہ مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کو ہاتھ اور زبان سے سلام کرے“ (رائے گرامی حضرت الاستاذ مولانا اعجاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ ص ۳۵۵ و ۳۵۶)

(۲) ہدایہ پڑھانے کے ساتھ طلباء کو شرح نقایہ کے مطالعہ کی ہدایت کی جائے تو بہت ہی مفید ہوگا اور اگر اس کا امتحان بھی لیا جائے تو سونے پر سہاگہ کا کام دے گا۔

(۳) حضرت شیخ الادب والفقہ فرماتے ہیں کہ میری رائے قطعاً نہیں ہے کہ منطق، ریاضی، فلسفہ درس نظامی میں سے قطعاً خارج کر دیا جائے، میری خواہش ہے کہ ان کی تعلیم اسی طرح پردی جائے کہ کامل الفن لوگ پیدا ہوں۔ (ص ۳۵۶)

(۴) تفسیر کی کتاب جلالین تجربہ سے بہت مفید ثابت ہوئی لیکن پڑھانے کا طرز وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مہجوراً کی یاد دلاتا ہے۔

تفسیر میں اضافہ کی ضرورت ہے، اگر تفسیر مدارک کا اضافہ درس کے لئے کر دیا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے تفسیر مظہری بہت مناسب ہے مگر وہ طویل ہے اس کو پڑھانے کے بجائے مطالعہ کے لئے رکھا جائے تو بہت فائدہ ہو، ساتھ ہی بیان القرآن کے مطالعہ سے بھی تفسیر اور بیان قرآنی کی ضرورت پوری ہو جائے۔

حضرت شیخ الادب والفقہ کی رائے گرامی ہے کہ موجودہ نصاب میں ترمیم کرنے سے پہلے طرز تعلیم کی کڑی نگرانی کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی تفسیر کے متعلق وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے۔ حدیث میں وہ دورہ حدیث کی کتب متداولہ کے کافی ہونے کے ساتھ صرف اعلاء السنن مکمل کے اضافہ کی ضرورت کا اظہار فرماتے ہیں۔



یہ کتاب بہت طویل ہے اس سے استفادہ کی ایک تجویز خود حضرت مولف علامہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی فرمائی ہوئی ہے اگر اس کو اہل مدارس اپنائیں تو بہت مفید ہو، وہ یہ کہ مشکوٰۃ شریف کی فصل ثالث کے ساتھ ایک فصل رابع کا اضافہ کر دیا جائے اور اس فصل میں اہل حنفیہ کی احادیث کا اعلاء السنن سے انتخاب کر کے جمع کر دیا جائے، اور اس کو مشکوٰۃ شریف کے ساتھ پڑھایا جائے بدرستہ حضرات اعلاء السنن سے استفادہ کر کے اس کو پڑھایا کریں۔

(۲) فقہ میں کتب متداولہ کنز، ہدایہ وغیرہ کافی ہیں ضرورت اس کی ہے کہ ماہر علماء درس کے لئے مقرر ہوں جو اپنی زندگی کا مقصد درس کی تکمیل کو سمجھیں اور کتابیں اول سے آخر تک پوری محنت سے پڑھائی جاویں۔

(۳) علوم آلیہ میں جو کتب درس نظامی میں مروج ہیں اختصار کے لئے ان میں سے زواہد علم، شرح مواقف، مطول کو حذف کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں، اب وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں ان کو شامل نہیں رکھا گیا۔

حضرت مفتی صاحب کا ارشاد ہے کہ: میرے خیال میں نصاب کی تجویز و تشکیل کی فکر فضول ہے جو موجودہ مریضہ نصاب ہے وہ بھی کافی ہے، اس میں مقامی اور وقتی ضرورت سے معمولی تغیر کر دیا جائے تو یہ مفید ہو سکتا ہے مگر اصل توجہ اور فکر کی چیز رجال کا رکا مہیا کرنا ہے جو اشاعت علم اور تربیت طلباء کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھیں، جتنے اکابر علماء اب تک پیدا ہوئے وہ اسی نصاب کے فاضل ہیں جس کو آج فرسودہ کہا جاتا ہے مگر سا تذہ کا ملین و ماہرین تھے، اس لیے اسی نصاب سے سب کچھ حاصل ہو گیا۔ (ص ۶۷)

مرشدی حضرت مفتی صاحب کا یہ جملہ کس قدر بصیرت افروز اور حقیقت شناسی کا مظہر ہے کہ ”اس نصاب سے سب کچھ حاصل ہو گیا“ حقیقت یہی ہے کہ نصاب کے بدلنے کی فکر سے زیادہ فکر سا تذہ کا ملین و ماہرین کی طرف توجہ کرنے کی ہے، اگر طریقہ سے اس نصاب کو پڑھایا جائے تو اسی نصاب سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

مولانا فاروق احمد صاحب نے بھی کیا خوب فرمایا ہے کہ: کیا اکابرین علماء دیوبند،



سہارنپور، دہلی اسی نصاب کے پروردہ نہ تھے، اگر یہ نصاب ذاتی طور سے ناقص ہوتا تو اس قدر اہل کمال اس نصاب کی بدولت پیدا نہ ہو سکتے، البتہ جزوی ترمیم اگر کی جائے تو مناسب ہے (۳۷۹)۔
درخت اگر اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو اس نصاب قدیم کے ثمرات تو ہزاروں فضلاء آپ کے سامنے ہیں اور دوسرے نصابوں کے فضلاء کے مقابلہ میں ہمیں فخر کے ساتھ یہ کہنے کا موقع ہے:

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم اذا جمعنا یا جریر المجمع

دوسرے طرز تعلیم بدلنے کی ضرورت ہے قدیم طرز تعلیم میں طلباء کی استعداد ہلکتی تھی اب طلباء کی بجائے مدرسین کی استعداد میں توجہ مطالعہ اور تیاری کے اضافہ ہوتا ہے مگر طلباء میں مطلوبہ استعداد دوپختگی نہیں آتی۔

مولانا فاروق صاحب بھی فرماتے ہیں کہ قدیم طریقہ تعلیم کو چھوڑنے کا باعث ہی ہمارے نصاب تعلیم کی بدنامی کا سبب ہو رہا ہے (ص ۳۸۰) نیز فرماتے ہیں کہ موجودہ طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ طلباء نے عبارت پڑھی اور استادوں نے تقریر کر دی یہ نہایت مضرب ہے اس کو چھوڑا جائے اور طلباء سے ہی تقریر کرائی جائے اس میں ابتداء اگرچہ سبق کم ہوگا طلباء دل برداشتہ ہوں گے۔ نیز فرماتے ہیں تجربہ سے معلوم ہوا کہ تھمائی اور وسطانی درجات کا تقریر کرنا موجودہ صورت میں ان کی آئندہ ترقی کو مانع ہوتا ہے تقریر آنے کی صورت میں تعلیم کو چھوڑ کر وعظ کوئی کا پیشہ اختیار کرنے میں ضلوا واضلوا کا مصداق بنتے ہیں نیز وعظ کوئی مشکل نہیں مناسبت کی ضرورت ہے وعظ کوئی کی شکل میں مشکل کتابوں کی طرف توجہ مشکل ہو جاتی ہے اور اس طرح تعلیم سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اس کے حل کی صورت یہ ہے کہ ایک یوم تقریر کے واسطے ان کی تعلیمی کتابوں سے ان کو مضامین دیے جائیں۔ (ص ۳۸۲) یہی طریقہ وعظ سکھانے کا ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے طلباء کیلئے تجویز فرمایا تھا۔

(۳) فتاویٰ ہزازیہ فتویٰ سیکھنے کیلئے مفید ہو سکتا ہے مگر قدوری، کنز کا بدل ہونا مشکل ہے اور ہدایۃ المجدد میں اختلاف مذاہب کو توسط طلباء کے لیے سنبھالنا مشکل ہوگا البتہ اتقان کا



پہلا حصہ اگر شامل درس کیا جائے تو مفید ہے۔

جولین دو سال میں پڑھائی جانے کی تجویز بہت عمدہ اور مفید ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف سے پہلے ریاض الصالحین کا اضافہ بہت مفید اور مبارک ہے اور منطق میں ملازمین بہت مفید ہے وہ مختصر طریقہ پر علم کا حل ہے۔ ملاحسن کے ساتھ بھی اگر اس کو مطالعہ کیلئے تجویز کیا جائے تو مفید ہوگا۔

میراث میں سراجی کو ہائی کورٹ کا درجہ حاصل ہے مگر اس میں عملی مشق اور استخراج مسائل کی ضرورت ہے صرف حل کتاب کافی نہیں، اصحاب الفروض کے حصص اور رد و عول کے قواعد اور تصحیح کے اصول حفظ کرائے جائیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے قدری اور کنز میں بھی کتاب الفرائض کو پڑھایا جائے تاکہ سراجی کے پڑھنے سے پہلے اس فن سے کسی قدر مناسبت ہو جائے، اکثر ان کتابوں میں کتاب الفرائض سراجی کے بھروسہ پر پڑھائی نہیں جاتی، پھر سراجی میں طلباء کیلئے مباحث بالکل اجنبی ہوتے ہیں وہ اس کو مکمل سمجھنے پر قادر نہیں ہوتے، ویسے بھی ایک فن کی کئی کتابیں اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ تکرار سے مسائل کا استقرا ہو جائے۔

معانی میں دروس البلاغہ مفید ہے مگر مختصر معانی کے ساتھ اس کو رکھا جانا مفید ہو سکتا ہے، مختصر معانی طالب علم کو متحدار بناتی اور عبارت فنی کا ملکہ پیدا کرتی ہے مگر تلخیص المفتاح کا سبق پہلے ہو جتنے حصہ کا سبق ہو چکا تنے ہی حصہ کی شرح مختصر معانی میں پڑھائی جائے تو ان شاء اللہ مفید ہوگا۔

اب تک جو کچھ نصاب کی اصلاحات کے بارہ میں لکھا گیا وہ،، ماہ فضل و کمال،، کے مکتب سلسلہ،، نصاب تعلیم،، کی روشنی میں تجربہ کار علماء و محققین اور فضلاء کا ملین کی آراء مبارکہ کے بہت ہی مختصر اقتباسات تھے، یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنی تمام عمر اسی نصاب قدیم درس نظامی کے پہلے پڑھنے میں پھر پڑھانے میں ہی گزاری ہے کہیں کہیں کچھ حق نے اپنے فہم کے مطابق ان حضرات رحمہ اللہ کی خوشہ چینی کرتے ہوئے لکھ دیا ہے۔

یہ بات اصل میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے اس ارشاد گرامی کے سلسلہ میں شروع ہوئی تھی کہ حضرت کی رائے گرامی یہ تھی کہ،، دورہ حدیث شریف دو سال میں ہوا کرے،، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی بھی دورہ حدیث کے متعلق یہی رائے تھی اور وہ اسی کو مفید



تصور فرماتے تھے، پہلے سال ترمذی شریف اور دوسرے سال بخاری شریف اصل قرار دی جائیں
باقی توابع (ماہ فضل و کمال ص ۳۷۲)
بزرگان مظاہر علوم سہارنپور کی آراء

اب ہم اس سلسلہ کو سابق صدر المذہبین مظاہر علوم سہارنپور مولانا عبدالرحمن صاحب
اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہم اللہ کی رائے
گرامی کے چند مختصر اقتباسات کو اپنی ان معروضات کا خاتمہ بناتے ہیں۔

(۱) اب تک جوان اداروں نے کام کیا ہے اور مقصد میں کامیاب رہے تو اس وجہ سے
کہ حکومت سے بے تعلق رہے۔ خود بلا واسلامیہ حجاز وغیرہ میں غور کیا جائے کہ حکومت کے دخل
سے اداروں کی آزادی کس قدر سلب ہوگئی اور اہل ادارہ کس قدر تنگ ہیں یہ سب کچھ امداد کی
بدولت ہوا ہے۔

(۲) حکومت کی امداد خود مستقل ایک سبب میلان طبع ہے اس کی وجہ سے بدترین
مدارس و ادارت خود اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں الخ۔

(۳) اشتراک حکومت یا اس کے مشورہ سے جو نصاب مرتب ہوگا وہ ادارت قدیمہ اور
درس گاہ حائے قدیمہ کیلئے غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر یا اس کی حقیقت کو مٹانے والا ہے۔
حکومت کی اغراض اور ان اداروں کی اساس و اغراض میں بعد میں التشریقین ہے
فکلیف بتحدان سوائے طبع امداد یا دیگر اغراض فاسدہ کے کوئی چیز نہیں۔

(۴) تعجب ہے کہ جوہ ستیاں آج دنیا میں برسر اقتدار ہیں اور اس نصاب قدیمہ کے
خوشہ چیں ہیں انہیں کے ہاتھوں اس کی تیغ کئی ہو رہی ہے باللعجب الضیعة الادب۔ عالم
کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس بنی نوع کے ہاتھوں کسی چیز کی بنیاد رکھی جاتی ہے انہیں
کے ہاتھوں اس چیز کی تیغ کئی ہوتی ہے فیما حسیرة علی العباد۔ (ماہ فضل و کمال ص ۳۶۳)
یہ مختصر گزارشات مدارس کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں یہ کوئی مستقل
مضمون نہیں ہے اب اسی پر قناعت کی جاتی ہے۔ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم کراچی

مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی تاریخ کے آئینے میں

جامعہ دارالعلوم کراچی کے پچاس سالہ جلسہ دستار بندی منعقدہ ۲۹ شوال ۱۴۲۰ھ فروری ۲۰۰۰ء میں

افتتاحی خطاب (قسط ۲)

مدرسہ عمارت کا محتاج نہیں

مدرسے کے لیے عمارت کی ضرورت نہیں ہوتی عمارت مل جائے تو یہ اللہ کا کرم ہے لیکن مدارس کی تاریخ بتاتی ہے کہ مدارس کا وجود عمارتوں کا محتاج نہیں ہوتا مدرسہ نام ہے استاذ اور شاگرد کا جہاں استاذ اور شاگرد بیٹھ جائیں استاذ پڑھانا اور شاگرد پڑھنا شروع کر دے وہی مدرسہ ہو جاتا ہے چاہے وہ درخت کا سایہ ہو یا ریگستان، اور چاہے وہ کوئی جزیرہ ہو یا پہاڑ کی چوٹی، اسی طریقے سے دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور پھر رفتہ رفتہ وہ عالم اسلام کی عظیم الشان یونیورسٹی بن گئی، اور یہاں سے وہ آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جن کے نام لیوا آج دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم بھی ان کے نام لیواؤں میں شامل ہیں اگرچہ ہماری زبانیں اس قابل نہیں کہ وہ ان مقدس ہستیوں کا نام لیں۔

علماء دیوبند کی سب سے بڑی خوبی

دارالعلوم دیوبند سے تیار ہونے والے علمائے کرام کی ایک اہم خصوصیت اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے علم و عمل اور قول و کردار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نمونے پیش کئے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخصیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا نمونہ بنی ان بزرگوں کے اعلیٰ کردار اور علمی و عملی کمالات کی ایک طویل اور لذیذ داستان ہے ان کے واقعات اور حکایات شروع کردوں تو دودن اسی میں گزر جائیں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں وہ کیسے بے نفس لوگ تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ریا اور



طلب شہرت جیسے رزائل سے بچایا تھا یہ حضرات بدعتوں کا قلع قمع کرنے والے اور سنتوں کو زندہ کرنے والے تھے (انشاء علی الکفار رحمہم بینہم) کا نمونہ تھے بدعت کا رد ہو یا دوسرے مخالفین سے مجادلہ دونوں کام سنت کے مطابق کرتے تھے اپنی من مانی نہیں کرتے تھے۔
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا سبق آموز واقعہ

کانپور میں جب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدرسہ میں پڑھاتے تھے تو انہوں نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی تاکہ وہاں تشریف لائیں اور بیان فرمائیں کانپور میں بے چارے کچھ لوگ کچھ بدعات میں مبتلا تھے اور ان کے مریدین کا بڑا حلقہ تھا شہرت یافتہ حضرات تھے اور عام طور پر ان میں یہ تہہ چھپے ہوا کرتے تھے کہ میاں یہ علماء دیوبند کیا جانیں علوم کیا ہوتے ہیں ان کو تو علوم کی ہوا بھی نہیں لگی اسی طرح کی باتیں کرتے تھے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری پر جلسے میں ان حضرات کو بھی دعوت دی حضرت شیخ الہند کا ایمان افروز بیان ہوا پورے مجمع پر سناٹا طاری تھا گویا علم و حکمت اور فصاحت و بلاغت کا دریا دھیرے دھیرے بہہ رہا تھا اسی دوران وہ حضرات بھی آگئے جو علماء دیوبند سے اختلاف یا مخالفانہ رویہ رکھتے تھے ان کے معتقدین بھی ساتھ تھے حضرت تھانوی خوش ہوئے کہ بڑا اچھا موقع ہے یہ حضرات ہمارے استاذ کی تقریر سنیں گے تو انہیں پتہ چلے گا کہ ہمارے بزرگوں کے پاس کتنا علم ہے کیسی حکمت اور دانائی ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جیسے ہی ان اہل بدعت کو دیکھا تو خاموش ہو گئے تقریر وہیں ادھوری چھوڑ دی لوگ سمجھے کسی عذر سے یا شاید پانی پینے کے لیے رک گئے ہیں جب چند منٹ گزر گئے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے پوچھا حضرت کیا بات ہے فرمایا اب میں تقریر نہیں کروں گا عرض کیا حضرت اب تو تقریر کا وقت آیا تھا اس پر حضرت نے جو جملہ فرمایا وہ آب زر سے لکھنے اور دل میں کندہ کرنے کے قابل ہے فرمایا تم کہتے ہو کہ اب تو تقریر کا وقت آیا ہے یہی بات تو میرے دل میں آگئی تھی (جس کی وجہ سے تقریر چھوڑ دی) یعنی اب تک اللہ کی رضا کے لئے بیان ہو رہا تھا اب بیان جاری رکھتا ہوں تو بیان کو دکھانے کے لئے ہو گا اللہ کے لئے نہیں ہو گا اس لئے تقریر چھوڑ دی۔



یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک عظیم کردار کا نمونہ ہے

دیکھئے یہ واقعہ تقریباً ویسا ہی ہے جیسا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتح خیبر کیسے برداشت کر سکتے تھے اس کو زمین پر پٹخ مارا سینے پر سوار ہو گئے اور اسے قتل کرنے کے لئے خنجر نکالا یہاں ایک بات یاد دہنی چاہئے وہ یہ کہ شان رسالت میں صریح گستاخی کے مجرم کو جان سے مارنے کا اختیار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وجہ سے تھا کہ وہ امیر المؤمنین تھے انہوں نے اپنے کانوں سے اسے گالی دیتے ہوئے سنا دوسرے لوگ جو وہاں موجود تھے انہوں نے بھی سنا مجرم کا جرم ثابت تھا جس کی مرزاموت ہے اس واسطے انہیں قتل کرنے کا اختیار تھا مجھے اور آپ کو اس وقت تک کسی کو قتل کرنے کا اختیار نہیں جب تک عدالت فیصلہ نہ کر دے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے اسے قتل کر دیا جائے شریعت کا قانون یہی ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کرنے کے لئے خنجر نکالا تو اس یہودی نے منہ پر تھوک دیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ سوچا اور اسے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے لوگوں نے عرض کیا امیر المؤمنین اسے آپ نے ایسے ہی چھوڑ دیا فرمایا پہلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قتل کر رہا تھا جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے غصہ اور زیا دہ آ گیا مگر میں نے سوچا کہ اب اگر اسے قتل کروں گا تو اپنے نفس کے انتقام کا جذبہ بھی شامل ہو گا یہودی نے جب دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے غلاموں کی یہ عظمت ہے تو اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

حضرت شیخ الہند نے درحقیقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال قائم کی یہ تو ایک مثال ہے ہمارے اکابر کی زندگیاں صحابہ کرام کی زندگیوں کا نمونہ تھیں ہمارے بزرگان دیوبند رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کے چلتے پھرتے نمونے تھے الحمد للہ ان حضرات نے ان علوم نبوت کی حفاظت کی جو پچھلے تیرہ سو سال سے علماء دین اور علماء اسلام کے ترکہ میں چلے آ رہے تھے اس کی پروا نہیں کی کہ ہمیں سرکاری اداروں میں ملازمتیں نہیں ملیں گی انہوں نے



روکھی سوکھی کھا کر جھگ وٹا ریک حجروں میں رہ کر اور بعض اوقات فاقہ کشی کر کے بھی اور لوگوں کی ملازمتیں سن کر بھی اپنے کام کو جاری رکھا اور علوم دینیہ کی حفاظت میں الحمد للہ کامیاب ہو گئے۔

علی گڑھ کے ادارے کا قیام

عین اسی زمانے میں جب دارالعلوم دیوبند قائم ہو رہا تھا مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ایک ہم سبق سرسید احمد خان مرحوم نے علی گڑھ میں تعلیمی ادارہ قائم کیا ان کے پیش نظریہ تھا کہ مسلمانوں کو سرکاری اداروں میں ملازمتیں نہیں مل رہی ہیں اور مندرجہ بالا زمینیں حاصل کر رہے ہیں مسلمانوں کی معاشی و سیاسی موت واقع ہو جانے کا اندیشہ ہے انہوں نے مسلمانوں کی سیاست و معیشت کے تحفظ کے لئے علی گڑھ کا ادارہ قائم کیا تا کہ وہاں انگریزوں کے لائے ہوئے نصاب تعلیم کو رائج کر کے کم از کم مسلمانوں کی سیاست اور معیشت تو محفوظ کر دی جائے تو دیوبند کا مشن تھا مسلمانوں کے دین کا تحفظ اور سرسید کے اس تعلیمی ادارے کا مقصد تھا مسلمانوں کی دنیا کا تحفظ دونوں نیتیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک تھیں مسلمانوں کے دین کا تحفظ بھی ضروری ہے ان کی سیاست و معیشت اور دنیا کا تحفظ بھی ضروری ہے۔

یہاں سے دین و دنیا میں تفریق پیدا ہوئی

لیکن المناک بات یہ ہوئی کہ پہلے یہ دونوں کام ایک ہی قسم کے تعلیمی اداروں میں ہوا کرتے تھے اب یہ کام تقسیم ہو گئے علی گڑھ کا نصاب و نظام اور طریقہ کار الگ اور دیوبند کا نصاب و نظام اور طریقہ کار جدا دین اور دنیا میں تفریق ہوئی تعلیم کے دونوں نظاموں میں خلیج پیدا ہوئی اپنے اپنے مقصد میں دونوں ادارے کامیاب ہوئے دیوبند نے علوم نبوت کی الحمد للہ ایسی حفاظت کی کہ جب آزادی ملی اور پاکستان قائم ہوا تو وہ علوم نبوت جوں کے توں اسی طرح محفوظ تھے جیسے انگریزوں کے آنے سے پہلے محفوظ تھے بلکہ صرف محفوظ ہی نہیں بلکہ الحمد للہ بزرگان دیوبند اور ان کے شاگردوں نے ان میں اور نکھار پیدا کیا تھا اور ان کو آگے بڑھایا تھا ادھر علی گڑھ بھی اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوا۔

پاکستان بن گیا الحمد للہ پاکستان کا قیام پورے برصغیر کے مسلمانوں کی قربانیوں



کامرہون منت ہے لیکن حضرات علماء دیوبند کی ایک بڑی جماعت تحریک پاکستان میں پیش پیش نہ ہوتی تو مسلمان ان قربانیوں کے لئے تیار نہ ہوتے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں ان کے رفقاء حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی اور ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور علماء دیوبند کی ایک بڑی جماعت قیام پاکستان کی تحریک میں سرگرم ہوتی پیش نظر یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطہ مل جائے جس میں ہم اسلامی معیشت اسلامی تجارت اسلامی نظام تعلیم اسلامی نظام حکومت اسلام کا عدل و انصاف اور اسلامی معاشرت قائم کر سکیں الحمد للہ پاکستان وجود میں آیا تو ہمارے بزرگوں کے سامنے سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ یہاں اسلامی حکومت کے شایان شان نظام قائم ہوا، اور اسلامی معاشرہ قائم ہو نظام حکومت بھی اسلامی ہو، نظام تعلیم بھی اسلامی ہو۔

یہ دونوں نظام تعلیم دفاعی نوعیت کے تھے

والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بار بار فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند جس مقصد کے لیے قائم ہوا تھا اور علی گڑھ جس مقصد کے لیے قائم ہوا تھا دونوں اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے، لیکن یہ دونوں نظام تعلیم دفاعی تھے اقدامی نہیں تھے میں مفہوم عرض کر رہا ہوں الفاظ نہیں، یہ دونوں دفاعی نظام تعلیم تھے اقدامی نہیں تھے یعنی ایک غیر مسلم قوم ہم پر مسلط ہو گئی تھی اسلام اور مسلمانوں کو اس کی دست برد سے بچانے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا جہاں اور علوم دین اسلامی روایات کی حفاظت کی گئی اور جدید علوم و فنون سے مجبوراً قطع نظر کرنی پڑی، جو بلاشبہ دنیاوی حیثیت سے ایک نقصان تھا، اور علی گڑھ میں مسلمانوں کی دنیا اور ان کی معیشت کی حفاظت کے لیے جدید علوم و فنون کو اپنایا گیا، مگر وہاں جانے والوں میں دین کی وہ پختگی نہیں رہی، ان میں سے بہت سوں کے اندر انگریزوں کی ذہنی مرعوبیت پیدا ہو گئی اور اپنی دینی و قومی روایات کے بارے میں ان میں سے بہت سے لوگ احساس کمتری کا شکار ہو گئے بہر حال یہ دونوں نظام تعلیم دفاعی نوعیت کے تھے جو حالات کے جبر کے باعث دفاعی حیثیت سے آگے بڑھ نہ سکے۔



پاکستان کو نئے نظام تعلیم کی ضرورت تھی

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ جب پاکستان بن گیا اور مسلمانوں کا ایک آزاد اور خود مختار وطن دنیا کے نقشے پر ابھر آیا تو یہاں پورے ملک کے نظام تعلیم کے طور پر نہ علی گڑھ کا نظام تعلیم کافی تھا نہ دیوبند کا نظام تعلیم۔ یہ دونوں ایسے نظام نہیں تھے کہ ان میں سے کسی ایک کو جوں کا توں پاکستان کے سب تعلیمی اداروں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاری کر دیا جائے، اگر ایسا ہوتا تو اب پھر مذہب سے محرومی رہتی یا دنیا سے۔ ہمارے والد صاحب اور ہمارے دوسرے بزرگوں کا یہ سوچا سمجھا نظریہ تھا کہ یہاں ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جس میں دین و دنیا کی تفریق نہ ہو، ایک مرحلے تک مثلاً میٹرک تک مشترک نصاب تعلیم چلے، اس میں ضروری دینی مسائل اور قرآن و سنت کی بنیادی تعلیم بھی قومی اور مادری زبان میں ہو اور عصری علوم و فنون بھی ساتھ ساتھ چلیں، میٹرک تک دینی اور دنیاوی نصاب تعلیم میں کوئی فرق نہ ہو میٹرک کے بعد جس طریقے سے ہر علم و فن کے لئے اسپیشلائزیشن اور تخصّص ہوتا ہے اس نظام میں بھی ہو کہ کوئی طالب علم عصری علوم میں آگے بڑھے کوئی دینی علوم میں پھر آگے جا کر کوئی فقہ میں تخصّص کرے کوئی حدیث میں کوئی جغرافیہ میں، کوئی انجینئرنگ میں کوئی طب میں لیکن میٹرک تک تعلیم سب کی مشترک ہو اور آگے سائنس، فیکلٹی، جغرافیہ، ریاضی، انجینئرنگ اور طب وغیرہ کی تمام تعلیم بھی اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی ہو تعلیمی اداروں کا ماحول مسلمانوں کے شایان شان ہو اور ہمارے نظام تعلیم سے معیاری محدثین و فقہاء اور مفسرین و متکلمین تیار ہوں اور مثالی مسلمان انجینئر مثالی مسلمان ڈاکٹر، مثالی مسلم سائنس دان تیار ہوں جو ملک و قوم کی بھی مثالی خدمت کر سکیں، اور اسلام کے مبلغ بھی بن سکیں۔ اس سلسلے میں ہمارے والد ماجد نے سرکاری سطح پر برسوں کوششیں کیں کہ پورے ملک کا نظام تعلیم سرکاری سطح پر اس انداز میں قائم ہو جس میں دین و دنیا کی خلیج اور تفریق نہ ہو۔

افسوس ناک صورتحال

لیکن افسوس ناک صورتحال یہ سامنے آئی جس پر والد صاحب بہت افسوس کا اظہار



فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ملک پر جو حکمران دو چار سال بعد ہی مسلط ہو گئے تھے وہ یہاں اسلامی تعلیم نہیں لانا چاہتے تھے، انہوں نے انگریزوں کی آغوش میں تعلیم حاصل کی تھی انگریزی زبان لکھنا اور بولنا ہی ان کے نزدیک بڑا علم تھا ان کے اندر قومی غیرت کا ایسا معیار بھی نہیں تھا جو ہر آزاد اور غیور قوم میں پایا جاتا ہے، انہوں نے اپنی قومی زبان اردو کو پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ پیچھے دھکیلا۔ انگریزی زبان کو اور لائبریریاں کے بنائے ہوئے نظام تعلیم کو جوں توں مسلط رکھا اور ایک آزاد و خود مختار اسلامی ملک کی ضرورت کے مطابق نظام تعلیم قائم کرنے کے سلسلے میں کوئی کوشش بار آور نہ ہونے دی، حضرت والد صاحب اس زمانے میں کئی یونیورسٹیوں کے ممتحن بھی رہے، نصیاتی کمیٹیوں کے رکن بھی رہے اور بہت کوششیں کیں کہ کسی طریقے سے اسلامی سانچے میں یہ نظام تعلیم ڈھالا جاسکے لیکن کامیابی نہ ہوئی والد صاحب فرماتے تھے کہ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ پورے ملک میں اسلامی نظام تعلیم ہو، جس میں دونوں قسم کے علوم و فنون جدید ترین ترقی یافتہ شکل میں ہوں، وہ تو اب ممکن نہیں رہا۔ چلو وہی کام کر لیں جو انگریزوں کے دور میں مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کرنا پڑا تھا۔

دارالعلوم کراچی کا قیام ناک واڑے میں

چنانچہ مجبوراً پھر دارالعلوم کراچی کی بنیاد بڑی سادگی کے ساتھ رکھی گئی کہ کم از کم وہ علوم و فنون جو علماء دیوبند نے محفوظ رکھے تھے جب تک نئی حکومت نہیں آتی ملک میں اسلامی نظام تعلیم نہیں آتا، کم از کم وہی علوم جوں کے توں محفوظ کر لئے جائیں الحمد للہ ہمارے دینی مدارس اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں، ان کو جو میراث علماء دیوبند سے ملی تھی اس میراث کو انہوں نے دین کے قلعوں میں محفوظ رکھا الحمد للہ پورے ملک میں دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے، اس سلسلے کی ایک کڑی الحمد للہ یہ جامعہ دارالعلوم کراچی ہے، جس کو میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادگی کے ساتھ ناک واڑے میں ایک چھوٹی سی عمارت میں اس کا الائنمنٹ حاصل کر کے قائم کیا تھا، وہ عمارت پتہ نہیں کب سے بند پڑی تھی، اور بہت سارے لوگ اس پر قابض رہ چکے تھے، جو لوگ اس میں رہائش پر میرے تھے جب وہ گئے تو کھڑیوں کے دروازے تک



اتار کر لے گئے تھے، مکڑیوں کے جالے لگے ہوئے تھے ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد رشید اور اپنے داماد حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس عمارت میں پہنچے، ان کے پاس سامان کیا تھا؟ سوائے جھاڑو کے کوئی ساز و سامان نہیں تھا، جھاڑو وہاں لے گئے تھے، اپنے ہاتھوں سے ان دونوں بزرگوں نے اس عمارت کو صاف کیا اور وہاں قال اللہ وقال الرسول کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے شروع کرادیا۔ یہ کراچی میں کھڑہ محلہ کے مدرسے کے بعد سب سے پہلا مدرسہ تھا، کھڑہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ قیام پاکستان سے پہلے کا چلا آ رہا ہے، اس کے بعد یہ سب سے پہلا مدرسہ یہاں قائم ہوا۔ اس وقت پاکستان میں مدارس گئے چنے تھے، خیر المدارس، ملتان میں کچھ ہی عرصہ پہلے قائم ہوا تھا، جامعہ اشرفیہ، لاہور میں قائم ہوا تھا، اور اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ پہلے سے موجود تھا، دارالعلوم کراچی جیسے ہی وجود میں آیا دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک کے طول و عرض بلکہ باہر سے بھی طلباء آنا شروع ہوئے، مشرقی پاکستان یعنی موجودہ بنگلہ دیش بھی اس وقت پاکستان کا حصہ تھا، وہاں سے بھی طلباء آنے لگے، تین چار سال ہی کے اندر وہ عمارت جگمگ پڑ گئی اور دارالعلوم کراچی یہاں کورنگی میں منتقل ہو گیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی جگہ

کورنگی میں دارالعلوم کے منتقل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری کوشش تھی کہ یہاں پاکستان کے شایان شان بڑا دارالعلوم قائم کیا جائے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کوشش میں تھے، شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہو گیا تو دارالعلوم کی بنیاد ناک وائے میں رکھی گئی علامہ عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی مکان نہیں تھا، وہ پاکستان کے بانیوں کی صف اول میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے، مگر انہوں نے ایک انچ بھی ذاتی زمین ترک نہیں چھوڑی، ایک شخص کے مکان کے ایک حصے میں رہتے تھے، سامنے کئی ایکڑ کا میدان تھا، مجھے یاد ہے کہ جب ہم بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ علامہ عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جایا کرتے تھے بچوں کے ساتھ ہم اسی میدان میں کھیلا کرتے تھے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو ان کی قبر بھی وہیں بنائی گئی، ناک وائے کی جگہ دارالعلوم کے لئے ناکافی



ہو گئی تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش ہوئی اور علامہ عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وارثوں اور دوسرے حضرات سے مشورہ بھی ہوا کہ اسی میدان کو حاصل کر لیا جائے تاکہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار کے طور پر یہاں دارالعلوم قائم ہو، اور نائیک وارڈے سے دارالعلوم یہاں منتقل ہو جائے، اور اس دارالعلوم کی نسبت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہو جائے، چنانچہ اس پورے میدان کی الاٹمنٹ دارالعلوم کراچی کے نام پر ہو گئی، ایک عظیم الشان جامعہ دارالعلوم کا جامع نقشہ (ماسٹر پلان) بنایا گیا، نقشے میں اساتذہ کرام کی رہائش کے لئے بھی مکانات رکھے گئے تھے، اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے دو بھائی یہاں کراچی میں تھے، ان کے لئے بھی پلاٹ رکھے گئے تھے، علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ کے لئے بھی پلاٹ رکھا گیا، تاکہ یہ حضرات بھی یہاں رہیں۔ درسگاہوں اور طلبہ کی اقامت گاہوں اور لائبریری سمیت ایک بڑے جامعہ کا نقشہ تیار کر لیا گیا۔ ماسٹر پلان تیار ہو گیا اور حکومت سے منظور بھی کر لیا گیا، اس ادارے کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان، مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے بزرگوں کو جمع کیا۔ مہینوں پہلے سے اس کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں، ہمیں یاد ہے کہ ہم طلبہ پوری پوری رات اس جلسے کی تیاری میں لگے رہتے تھے، طلبہ اساتذہ اور منتظمین نے اپنا کیمپ اسی میدان میں جا کر ڈال لیا، اس زمانہ کے برصغیر کے اکابر جمع ہو گئے، بنیادیں کھودیں گئیں، ان میں روڑی بھی ڈال دی گئی۔ اور بزرگوں نے اپنے ہاتھ سے مسالہ بھی ڈال دیا، یہ دو روزہ یا شاید تین روزہ کانفرنس تھی، کانفرنس شروع ہو گئی۔

ایک آزمائش

ایک سرمایہ دار جو سیاست میں نیا نیا داخل ہوا تھا، وہ دارالعلوم کے اس میدان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، اس نے شرارت کر کے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کو بہکایا کہ آپ کے خلاف سازش ہو رہی ہے، فلاں فلاں کے خلاف سازش ہو رہی ہے، وہ بیچاری سیدھی سادھی محترم خاتون تھیں، اس کی باتوں میں آ گئیں، اس شخص نے ان سے کچھ کہلوا دیا اور اخباری نمائندوں نے پتہ نہیں کس کس طریقے سے ان کی باتیں نقل کر کے اخبارات میں چھپوا دیں، اور

تاثر یہ دیا گیا کہ علامہ عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ صاحبہ اس میدان میں دارالعلوم کراچی قائم کرنے کی مخالف ہیں، حالانکہ حقیقت یہ نہیں تھی۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں ڈال کر کہا کہ آپ تو میری ماں ہیں، آپ کے خلاف میں کیسے کچھ کر سکتا ہوں، یہ تو سب کچھ آپ کے لئے اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں کیا گیا ہے، آپ کے لئے پلاٹ بھی رکھا گیا ہے، آپ کو کسی نے غلط باتیں بتائی ہیں، مگر چونکہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ صاحبہ اسی شخص کے مکان کے ایک حصے میں رہتی تھی، اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی تا حیات اسی میں رہے محترمہ اہلیہ صاحبہ کو پورا اطمینان نہ ہوا، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا غم ہوا، بار بار کوشش کے باوجود کامیابی نہ ہوئی، اگلے دن بھی کانفرنس کا اجلاس ہونے والا تھا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی ایثار

راتوں رات والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ کیا اور سب کو سنا دیا کہ میں دارالعلوم یہاں نہیں بناؤں گا، میں واپس جا رہا ہوں، مجھے یاد ہے اس وقت کے دارالعلوم کے ناظم اول ہمارے بہنوئی حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے مہینوں دن رات ایک کر کے بڑی جانفشانی سے اس پوری تقریب کے انتظامات کئے تھے اس فیصلے پر بہت روئے تھے، اور ہم بھی سب رو رہے تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب کو روتا چھوڑ کر اور یہ فرما کر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے کہ جس کا دل چاہے بنالے، میں دارالعلوم یہاں نہیں بناؤں گا یکمپ اٹھانے کا حکم دے دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ آج کے بعد اس زمین سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ اس زمانے کے چیف کمشنر صاحب کا خط ابھی کچھ عرصے تک میرے پاس محفوظ تھا غالباً اب بھی ہوگا تلاش کروں تو مل جائے گا، انہوں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ بعض شر پسند عناصر نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کو دھوکہ دے کر آپ کے خلاف سازش کی ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قانون کی پوری طاقت آپ کی پشت پر ہے، آپ دارالعلوم بنائیں، دنیا کی کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکے گی، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب تحریر انہیں دیا



صرف ٹیلی فون پر شکریہ ادا کر کے کہہ دیا کہ بس مجھے یہاں دارالعلوم نہیں بنانا، بہت لوگوں نے کہا کہ دینی ادارہ وقت کی اہم ضرورت ہے، نہیں بنے گا تو بڑا نقصان ہو جائے گا، اس وقت حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

دارالعلوم بنانا فرض عین نہیں، مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانا فرض عین ہے
فرمایا: یاد رکھو دارالعلوم بنانا فرض عین نہیں ہے، مگر مسلمانوں کو افتراق سے بچانا فرض عین ہے۔ اگر میں نے یہاں زبردستی دارالعلوم قائم کیا تو کچھ لوگ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ صاحبہ کو جو میری ماں کے درجے میں ہیں بہکا کر ایک گروہ بنالیں گے، کچھ ان کی موافقت کریں گے اور کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے، مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوگا، افتراق سے بچانا فرض عین ہے دارالعلوم قائم کرنا فرض عین نہیں، میں دارالعلوم یہاں نہیں بناؤں گا۔

خلاصہ یہ کہ وہ میدان اس حالت میں چھوڑ کر چلے آئے اس کے بعد وہاں اسلامیہ کالج کے نام سے اسی شخص نے ایک کالج بنادیا، جو آج بھی موجود ہے۔ اس واقعہ کے کچھ ہی روز بعد جنوبی افریقہ کے ایک تاجر آئے، انہوں نے کہا کہ کراچی سے باہر تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر ایک شرافی کوٹھ ہے اس کے قریب ریگستان میں میری چھبیس ایکڑ زمین پڑی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے وقف کر دوں، وہاں آپ مدرسہ بنالیں۔ اس زمانے میں یہ سارا ریگستان تھا، اور سات میل دور دور تک کوئی سڑک نہیں تھی، بجلی نہیں تھی، سات میل دور تک پانی کی لائن نہیں تھی، سیوریج کی لائن نہیں تھی، ٹیلی فون نہیں تھا، زندگی کے کچھ بھی آٹا اس ریگستان میں نہیں تھے بس چھوٹا سا ایک شرافی کوٹھ کچھ فاصلے پر موجود تھا، جو الحمد للہ اب بھی موجود ہے۔

دارالعلوم کی کورنگی میں منتقلی

دارالعلوم یہاں منتقل ہو گیا، یہ عمارتیں جو آپ کو جنوبی سمت میں نظر آ رہی ہیں، پہلے یہ دو عمارتیں بنی تھیں، ایک تیسری عمارت ادھر شمال مغرب میں بنی تھی، جو نئی مسجد کی تعمیر کی وجہ سے ختم کر دی گئی ہے۔ تین عمارتوں سے یہ دارالعلوم یہاں قائم ہوا۔ اس وقت ہماری تعلیم کے تین سال باقی تھے، دیگر طلبہ کے ساتھ ہم بھی یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ یہ ریگستانی زندگی تھی، دیہاتی

زندگی تھی، جب ہم یہاں سے شہر جاتے تو یہ کہہ کر جاتے تھے کہ کراچی جا رہے ہیں۔ دوپہر کو چلتے تو رات کو پہنچتے تھے، کہیں سے گدھا گاڑی مل گئی تو اس پر بیٹھ گئے، کہیں سے اونٹ گاڑی مل گئی تو اس پر بیٹھ گئے کہیں سے پیدل چلتے آگے جا کر بس ملی تو اس میں بیٹھ گئے، اس زمانہ میں اس علاقے کا نام کورنگی نہیں تھا، بلکہ شرافی کوٹھ تھا۔ یہاں اتنی ریت اڑتی تھی کہ ظہر کے وقت جب ہم نماز کے لئے جاتے تو پندرہ فٹ کے فاصلے کا آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ پھر تقریباً ڈھائی سال بعد اس علاقے میں کورنگی ٹاؤن کی تعمیر اور آبادی شروع ہو گئی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے رفتہ رفتہ شہر کراچی کو یہاں تک پہنچا دیا، شروع میں یہاں دارالعلوم کو صرف چھبیس (۲۶) ایکڑ زمین ملی تھی، پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے رقبہ زمین میں اضافہ فرما دیا، اب یہ جامعہ دارالعلوم کراچی بہتر (۷۲) ایکڑ کے رقبے پر آپ کے سامنے ہے، واللہ الحمد۔

ایثار کے نتائج

میرے مرشد حضرت ذاکر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، کہ دارالعلوم کو جو اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی زمین، اتنے وسائل، اتنی برکت اور اتنی ترقی عطا فرمائی یہ مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایثار کا بدلہ دیا ہے جو امت کو امتثال سے بچانے کے لئے انہوں نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے میدان کے سلسلہ میں کیا تھا، وہاں انہوں نے دارالعلوم قائم نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے کئی گنا زیادہ زمین اور اس کے وسائل عطا فرما دیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی

اپریل فول

مغرب کی بے سوچے سمجھے تقلید کے شوق نے ہمارے معاشرے میں جن رسموں کو رواج دیا انہی میں سے ایک رسم اپریل فول منانے کی رسم بھی ہے، اس رسم کے تحت یکم اپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ دینا اور دھوکہ دے کر اسے بیوقوف بنانا نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے جو شخص جتنی صفائی اور چابک دستی سے دوسرے کو جتنا برا دھوکہ دے اتنا ہی اسے قابل تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔

یہ مذاق جسے درحقیقت بد مذاقی کہنا چاہیے نہ جانے کتنے افراد کو بلا وجہ جانی اور مالی نقصان پہنچا چکا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں کی جانیں چلی گئی ہیں کہ انہیں کسی ایسے صدمے کی جھوٹی خبر سنا دی گئی جسے سننے کی وہ تاب نہ لاسکے اور زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ رسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو بلا وجہ بے وقوف بنانے پر ہے، اخلاقی اعتبار سے تو جیسی کچھ ہے ظاہر ہی ہے لیکن اس کا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کیلئے انتہائی شرمناک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔

اس رسم کی ابتدا کیسے ہوئی، اس بارے میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کی بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی ونس (venus) کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے۔

ونس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphrodite کیا جاتا تھا، اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا۔ (برٹانیکا پندرہواں ایڈیشن ص ۲۹۲ ج ۸)

لہذا بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ایک ہفت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا اس لئے اس دن کو لوگ جشن مسرت منایا کرتے



تھے، اور اسی جشن مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا، جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشن مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔
برطانیہ میں اس رسم کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ۲۱ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے لہذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا (برطانیہ ص ۳۹۶ ج ۱)
یہ بات اب بھی مبہم ہی ہے کہ قدرت کے اس نام نہاد مذاق کے نتیجے میں یہ رسم چلانے سے قدرت کی بیرونی نقیصہ دہی یا اس سے انتقام لینا منظور تھا؟

ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلو پیڈیا ”لاروس“ نے بیان کی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق کیم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں وہ رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسخیر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

”اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور اسے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں“ (لوقا ۲۲، ۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا پھر وہ انہیں پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا فیصلہ وہاں ہوگا پھر پیلاطس نے انہیں بیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا اور بالآخر بیروڈیس نے



دوبارہ فیصلے کے لیے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا۔

لاروس کا کہنے ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا اس لیے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعہ کی یادگار ہے۔

اپریل فول منانے کی نتیجے میں جس شخص کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اسے فرانسیسی زبان میں poisson d'avril کہا جاتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ April fish یعنی اپریل کی مچھلی (برٹانیکا ص ۴۹۶ ج ۱) کو یا جس شخص کو بے وقوف بنایا گیا ہے وہ پہلی مچھلی ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی، لیکن لاروس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ Poisson کا لفظ جس کا ترجمہ ”مچھلی“ کیا گیا ہے درحقیقت اسی سے ملتے جلتے ایک اور فرانسیسی لفظ Posion کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ”تکلیف پہنچانے“ اور ”عذاب دینے“ کے ہوتے ہیں لہذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور اذیت کی یاد دلانے کے لیے مقرر کی گئی ہے جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل poisson کا لفظ اپنی اصل شکل ہی پر ہے لیکن یہ لفظ پانچ الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے جن کے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ، مسیح، اللہ، بیٹا اور فدا یہ ہوتے ہیں کو یا اس مصنف کے نزدیک بھی اپریل فول کی اصل یہی ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے۔

اگر یہ بات درست ہے (لاروس وغیرہ نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ درست قرار دیا ہے اور اس کے شواہد پیش کیے ہیں) تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی اور اس کا منشا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک ہوگی، لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لیے جاری کی اسے عیسائیوں نے کس طرح ٹھنڈے پیوٹوں نہ صرف قبول کر لیا بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواج



دینے میں شریک ہو گئے، اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دیا ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں کا مزاج و مذاق اس معاملے میں عجیب و غریب ہے جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے خیال میں سولی دی گئی بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ان کی نگاہ میں قابل نفرت ہوتی کہ اس کے ذریعہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی اذیت دی گئی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دینا شروع کر دیا اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

لیکن مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ اپریل فول کی رسم وینس نامی دیوی کی طرف منسوب ہو یا اسے (معاذ اللہ) قدرت کے مذاق کا رد عمل کہا جائے یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار، ہر صورت میں اس رسم کا رشتہ کسی نہ کسی تو ہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا واقفے سے جڑا ہوا ہے اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے یہ رسم مندرجہ ذیل بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) جھوٹ بولنا (۲) دھوکہ دینا (۳) دوسرے کو اذیت پہنچانا (۴) ایک ایسے واقفے کی یاد منانا جس کی اصل یا تو بہت پرستی ہے یا تو ہم پرستی یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق۔ اب مسلمانوں کو خود فیصلہ کر لینا چاہیے کہ آیا یہ رسم اس لائق ہے کہ اسے مسلمان معاشرہ میں اپنا کر اسے فروغ دیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے ماحول میں اپریل فول منانے کا رواج بہت زیادہ نہیں ہے، لیکن اب بھی ہر سال کچھ نہ کچھ خیریں سننے میں آتی ہیں کہ بعض لوگوں نے اپریل فول منایا، جو لوگ بے سوچے سمجھے اس رسم میں شریک ہوتے ہیں وہ اگر سنجیدگی سے اس رسم کی حقیقت، اصلیت اور اس کے نتائج پر غور کریں گے تو ان شاء اللہ اس سے پرہیز کی اہمیت تک ضرور پہنچ کر رہیں گے۔

(ماخوذ از ذکر و فکر)



مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط ۲۲)

اور دوسرے اہم مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ: بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا کہ اولاد کے درمیان عطیہ دینے میں برابری واجب ہے اگر برابری نہ ہوگی تو وہ ظلم ہے جو کہ ممنوع ہے اور ایک روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **اعدلو بین اولادکم** اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ: اس ظلم سے اس فعل کا حرام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وجوب تسویہ یعنی برابری کے ضروری ہونے کی بنیاد اور استدلال صحیح نہیں تو اس کو ظلم قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ حدیث مبارکہ میں امر کا صیغہ علی الاطلاق وجوب پر دلالت نہیں کرتا خصوصاً جب اس کے خلاف قرینہ موجود ہو پھر تو بطریق اولیٰ وجوب مراد نہیں ہوگا اور یہاں قرینہ موجود ہے اور وہ دوسری روایت ہے، ارشاد نبوی ہے کہ: **واعدلو بین اولادکم فی النحل کماتحبون ان یعدلو بینکم فی البر** اپنی اولاد کو عطا کرنے میں عدل سے کام لو جیسا کہ تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ آپس میں نیکی میں عدل کرو۔

اس روایت سے یہ واضح ہے کہ انتخاب پر دلالت ہو رہی ہے اور وجوب کا ثبوت نہیں ہے کیونکہ نیکی میں برابری کرنا واجب نہیں بلکہ بشرط قدرت مستحب ہے اسی طرح اولاد پر عطیہ کرنے میں والدین کیلئے برابری بھی واجب نہیں ہے بلکہ مستحب اور مندوب ہے۔ صحابہ کرام سے بھی ایسے کئی واقعات ثابت ہیں جن میں ان کا اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، یہ تمام قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ امر کا صیغہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ انتخاب کیلئے ہے۔

رشوت کی صورتیں اور احکام

قوله تعالى: سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلْحَيٰتِ



۱ قسم الرشوة

خلاصۃ الکلام فی هذا المرام علی ما قال ابن الہمام الرشوة علی اقسام .

منہا: ما هو حرام علی الاخذ والمعطى وهو الرشوة فی تقلید القضاء فلا یصیر قاضیا وارتشاء القاضی لیحکم فلا ینفذ قضاءہ فی تلک الواقعة وان حکم بحق لانه واجب علیہ فلا یحل اخذ المال علیہ ولا اعطائه .

منہا: ما هو حرام علی الآخذ دون المعطى كما اذا اعطى المال لیسوی امرہ عند السلطان دفعا للضرر او جلبا للنفع . وكذا اذا ما اعطى المال لدفع الخوف من المدفوع الیہ اخذ المال علی الفعل الواجب

وفی المحيط: ونوع منہا: ان یمدی الرجل الی رجل ما لا یستوی امرہ فیما بینہ وبين السلطان ویمتیفی حاجتہ . فان كان حاجتہ حراما لا یحل من الجانبین الاخذ والاعطاء وان كان مباحا فان كان قد اشترط انه انما یمدی الیہ لبعینہ عند السلطان لا یحل الاخذ وهل یحل الاعطاء؟ تکلّموا فیہ . فمنہم من قال : یحل . ومنہم من قال : لا یحل . وان لم یشرط لکن انما یمدی الیہ لبعینہ عند السلطان فقال عامة المشائخ : لا یمکرہ اخذہ وقیل : یمکرہ کذا نقل عن ابن مسعود .

سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۴۲ اکلون للسحت کے تحت رشوت کی اقسام ذکر فرماتے

ہیں: علامہ ابن الہمام نے رشوت کی چند اقسام ذکر فرمائی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ وہ رشوت جو لینے اور دینے والے دونوں پر حرام ہے، وہ عہدہ قضاء کیلئے رشوت دینا ہے، ایسا شخص قاضی نہیں ہوگا اور قاضی کو رشوت دینا تا کہ وہ فیصلہ کر دے اس واقعہ میں اس قاضی کا فیصلہ ہی نافذ نہ ہوگا اگرچہ اس پر واجب ہے کہ صحیح فیصلہ کرے لیکن اس صورتحال میں اس کا صحیح فیصلہ بھی نافذ نہ ہوگا، پس اس صورت میں ان معاملات کے حوالے سے مال لینا اور دینا حلال نہیں ہے۔

۲۔ وہ رشوت جو دینے والے کیلئے حرام نہیں البتہ لینے والے کیلئے حرام ہے۔

اس لئے مال دینا کہ اس کا معاملہ سلطان کے پاس درست ہو جائے اس کا مقصد



نقصان سے بچنا یا نفع حاصل کرنا ہو ایسے ہی کسی شخص کے خوف کی وجہ سے اس کو مال دینا تا کہ اپنا جان و مال محفوظ رہے اس شخص کے خطرات سے حفاظت ہو جائے اس صورت میں مال لینا حرام ہے البتہ دینا حرام نہیں کیونکہ مسلمان سے نقصان دور کرنا واجب ہے اور فعل واجب پر مال لینا جائز نہیں ہے۔

محیط میں اس کی ایک قسم مزید ذکر کی ہے کہ: کسی شخص کو اس لئے مال دینا کہ وہ شخص جس نے مال لیا ہے وہ اس دینے والے اور سلطان کے درمیان معاملہ کو برابر کر دے اور اس کی ضرورت میں اس کی مدد کرے، پس اگر اس شخص کی حاجت حرام ہے تو مال لینے اور دینے والے دونوں کیلئے حلال نہیں ہے، اگر وہ حاجت مباح ہے تو اگر اس نے شرط لگائی کہ یہ مال بطور ہدیہ اس لئے دے رہا ہے کہ وہ شخص سلطان کے پاس اس کی مدد کرے تو یہ مال لینا حلال نہیں، البتہ اس کے دینے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے اس کو حلال اور بعض نے حرام کہا ہے، اگر دینے والے نے کوئی شرط نہیں لگائی تو عامۃ المشائخ نے کہا کہ اس کا لینا مکروہ نہیں ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ مکروہ ہے اسی طرح حضرات ابن مسعود سے بھی مروی ہے۔

باب چہارم اصولی مسائل فصل اول اصول فقہیہ، فصل دوم مسائل کلامیہ

حضرت مفتی عبدالشکور رزندی نے قرآن مجید کی آیات سے بعض اصولی مسائل کا استنباط بھی فرمایا اور پھر ان اصولی مسائل پر تفریعات فرمائیں، ان مسائل سے کسی مسئلہ کی تائید یا تردید کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔

سب سے پہلے اصول فقہیہ سے متعلقہ مسائل کی مثال ذکر کی جاتی ہے۔

فصل اول، اصول فقہیہ

قوله تعالى: ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله

عندوا بغير علم.

فيه دليل وجوب الحكم بسب الذرائع.

قال في الخازن: قال ابن عباس: لما نزلت "انكم وما تعبدون من دون



الله حصص جهنم“

قال المشركون: يا محمد لتنتهين عن سب آلهتنا او لنهجون ربك
ففيها هم الله ان يسبوا الوثنانهم فيسبوا الله عدوا بغير علم وقيل انما نهوا عن سب
الاصنام وان كان في سبها طاعة وهو مباح لما يترتب على ذلك من المفسد
التي هي اعظم من ذلك. وهو سب الله عز وجل وسب رسوله وذلك من
اعظم المفسد. فلذلك نهوا عن سب الاصنام. وقيل لم نزلت هذه الآية قال
النبي ﷺ: ”لا تسبوا آلهتهم فيسبوا ربكم فامسك المسلمون عن سب
آلهتهم“ فظاهر الآية وان كان نهيا عن سب الاصنام فحقيقة النهي عن سب الله
تعالى لانه سب لذلك

فيه دليل على ترك المصلحة لمفسدة ارجع منها

قال ابن كثير: ومن هذا القبيل وهو ترك المصلحة لمفسدة ارجع
منها ما جاء في الصحيح ان رسول الله ﷺ قال: ملعون من سب والديه
قالوا: يا رسول الله وكيف يسب الرجل والديه قال: يسب اب الرجل فيسب
اباه ويسب امه فيسب امه“ او كما قال رسول الله ﷺ على المحقق ان يكف
عن سب السفهاء وقد يستدل بها على سقوط وجوب الامر بالمعروف والنهي
عن المنكر اذا خيف من ذلك مفسدة وقال الجصاص: وفي ذلك دليل على
ان المحقق عليه ان يكف عن سب السفهائا الذين يتسرعون الى سبه على وجه
المقابلة لانه بمنزلة البعث على المعصية.

قال القرطبي: في هذه الآية ايضا ضرب من الموانعة ودليل على
وجوب الحكم بسد الدرائع

قال ابن القيس: فيها انه متى خيف من سب الكفار واصنامهم ان
يسبوا الله ورسوله والقرآن لم يجز ان يسبواهم ولا دينهم قال: وهي اصل في



قاعدة سد الذرائع. قلت: وقد يستدل بها على سقوط وجوب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر اذا خيف من ذلك مفسدة وكذا كل فعل مطلوب ترتب على فعله مفسدة اقوى من مفسدة تركه

ومما شاهدناه ان بعض جهلة العوام اكثر الرافضة سب الشيخين عنده فغاضه ذلك جدا فسب عليا كرم الله وجهه فسنل عن ذلك فقال: ما اردت الا غاضتهم ولم ار شيئا بغضهم مثل ذلك فاستيب عن هذا الجهل العظيم فيه دليل على ان الطاعة اذا ادت الى معصية راجحة وجب تركها

قال في الروح: واستدل بالآية على ان الطاعة اذا ادت الى معصية راجحة وجب تركها فان ما يؤدي الى الشر شر وهذا بخلاف الطاعة في موضع فيه معصية لا يمكن رفعها وكثيرا ما يشتبهان ولهذا لم يحضر ابن سيرين جنازة اجتمع فيها الرجال والنساء وخالفه الحسن قائلا لو تركنا الطاعة لاجل المعصية لاسرع ذلك في ديننا للفرق بينهما ونقل الشهاب عن المقدسي في الرمزان الصحيح عند فقهاءنا انه لا يترك ما يطلب لمقارنة بدعة كترك اجابة دعوة لم فيها من المصلاهي. وصلوة جنازة لئلا يفتقد على المنع منع والا صبر وهذا اذا لم يقتد به والا لا يفتقد لان فيه شين الدين وما روى عن ابي حنيفة انه ابتلى به كان قبل صيرورته اماما يقتدى به.

ونقل عن ابي منصور انه قال: كيف نهانا الله تعالى عن سب من يستحق السب لئلا يسب من لا يستحقه وقد امرنا بقتالهم واذا قاتلنا هم قتلونا وقتل المؤمن بغير حق منكر وكذا امر النبي ﷺ بالتبليغ والتلاوة عليهم وان كانوا يكذبونه وانه اجاب بان سب الآلهة مباح غير مفروض وقتالهم فرض وكذا التبليغ وما كان مباحا ينهي عما يتولد منه ويحدث وما كان فرضا لا ينهي عما يتولد منه وعلى هذا يقع الفرق لابي حنيفة فيمن قطع يد قاطع قصاصا



فمات منه فانه بضمن الدية لان استيفاء حقه مباح فاخذ بالمتولد منه. والامام اذا قطع يد السارق فمات لا يضمن لانه فرض عليه فلم يؤخذ بالمتولد منه. ومن هنا لا تحمل الطاعة فيما تقدم على اطلاقها

المسئلة

قال في الدر المختار: وتزجر النائحة ولا يترك اتباعها لاجلها قال في شرحه رد المحتار وكذا الصالحة شر بلا لية: اي لاجل النائحة لان السنة لا تترك بما اقترن بها من البدعة ولا يرد الوليمة حيث يترك حضورها لبدعة فيها للسارق بانهم لو تركوا المشي مع الجنازة لزم عدم انتظامها ولا كذلك الوليمة لوجود من ياكل الطعام. والظاهر ان المراد باتباعها المشي معها مطلقا لا خصوص المشي خلفها بل يترك المشي خلفها اذا كانت نائحة لما مر عن الاختيار ويحصل التوفيق

قال ابن حجر (المكسي) في فتاويه: ولا تترك اي زيارة القبور لما يحصل عندها من منكرات ومفاسد

كما اختلاط الرجال بالنساء وغير ذلك لان القربات لا تترك لمثل ذلك بل على الانسان فعلها وانكار البدع

بل وازالتهان امكن قال الشامي: ويؤيد ما مر من عدم ترك اتباع الجنازة وان كان معها نساء وناائحات تامل

تقرير وجه التامل

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: لعل وجه التامل ان الناس لو تركوا المشي مع الجنازة لاجل النائحات لزم عدم انتظامها ولا كذلك زيارة القبور فان في تركها لا يلزم المحذور. ولذا يترك المشي خلفها اذا كانت نائحة لان المقصود يحصل بالمشي معها لا يتوقف على خصوص المشي خلفها كما مر (جاري)



تعارف کتب

نام کتاب: اشرف الباری اردو شرح صحیح البخاری مؤلف: شیخ الحدیث مولانا منیر احمد منور بد ظلم
 صفحات: جلد اول ۶۵۳ جلد دوم ۳۵۲ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان فون 0322-6180738
 زیر نظر کتاب صحیح بخاری شریف کی اردو شرح ہے جسے ریکس المناظرین حضرت مولانا
 منیر احمد منور بد ظلم استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کھروڑ پکانے ترتیب دیا ہے اور اس
 میں علامہ ابن حجر عسقلانی سے لے کر موجودہ دور کے شارحین بخاری تک کی تحقیقات اور علوم
 و معارف کو یکجا کر دیا ہے، زیر نظر دو جلدیں کتاب العلم تک ہیں اگر اسی سچ پر یہ شرح مکمل ہو جائے
 تو اساتذہ اور طلباء کے لیے مفید اور علم حدیث کی ایک عظیم الشان خدمت ہوگی۔

حضرت مؤلف بد ظلم نے اس کی جو خصوصیات لکھی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:
 (۱) ترجمۃ الباب کی تفصیلی عام فہم تشریح (۲) ملتے جلتے تراجم میں فرق اور ان کی
 وضاحت (۳) حدیث کا مکمل عربی متن صحیح عبارت کے ساتھ اور تراجم میں انغلاق و ابہام کی
 وضاحت (۴) حدیث سے ماخوذ مذاہب فقہاء اور ان کی تصحیح۔

نام کتاب: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خطبات و سوانح کا مجموعہ
 مرتب: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی صفحات: ۳۶۸ ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ
 شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے حالات زندگی پر
 حضرت کی خود نوشت سوانح ”نقش حیات“ کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب منظر عام پر آچکی ہیں
 جن میں حضرت کی علمی، عملی اور سیاسی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں بھی مرتب
 زید مجدہم نے حضرت کے حالات زندگی ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی علمی دینی اور سیاسی
 خدمات کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) سوانح حضرت مدنی قدس سرہ (۲) خطبات حضرت مدنی (۳) اہم مضامین
 (۴) حضرت مدنی اور اقبال (۵) منظوم خراج تحسین۔



نام کتاب: اسلامی تہذیب مع اشرف الادب فی بیان المعاشرت والاخلاق صفحات: ۱۷۶
 افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز
 ترتیب: مولانا محمد زید مظاہری و صوفی محمد اقبال قریشی ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

موجودہ دور میں جبکہ ہر طرف مغربی تہذیب اور معاشرت پر وان چڑھ رہی ہے مسلمان
 رفتہ رفتہ اسلامی تہذیب اور تعلیمات سے دروہوتے جا رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں مجلس،
 گفتگو، میزبانی، مہمانی، ملاقات، مصافحہ وغیرہ کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب مادیت
 پرستی کے اس دور میں ہر گھر کی ایک اہم ضرورت ہے۔

نام کتاب: مجموعہ نفلی عبادات تالیف: مولانا محمد انصر رؤف زید مجدہم صفحات: ۳۸۸
 ناشر: مکتبہ الرؤف فون: 0321-2913514

نفل اور مستحب عبادات اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔
 زیر نظر کتاب میں تمام نفلی عبادات کے احکام و مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا
 اور ساتھ ہی ان کے فضائل بھی ذکر کیے گئے ہیں یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین اور ہر مسلمان
 مرد و عورت کے لیے مفید اور نافع ہے۔ حصہ اول میں تمام سنن و نوافل نمازوں اور ان سے متعلق
 احکام و مسائل اور فضائل کا بیان ہے۔ حصہ دوم میں سال بھر کی نفلی عبادات کا ذکر ہے نیز اتفاق فی
 سبیل اللہ اور ایصال ثواب وغیرہ کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔ حصہ سوم میں اذکار و سنن
 اور درود شریف کے فضائل، اعمال مستنونہ اور ادعیہ ماثورہ کا بیان ہے۔

(ع-ن-ت)

چوہدری الیکٹرک

مبین بلنڈر ساہیوال سرگودھا

بجلی اور سلائی مشین کے سپئر پارٹس با رعایت خریدیں۔

نیز الیکٹریشن اور پلمبر کی سہولت بھی موجود ہے۔ پریز انٹر: محمد لطیف چوہدری، محمد شفیق چوہدری

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

کیم ربیع الاول: جامعہ ہذا کے ۵۶ ویں یوم تاسیس کے موقع پر جامعہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی اس موقع پر جامعہ کے درجہ تخصیص فی الفقہ کے طلبہ نے جامعہ کی خدمات کے حوالہ سے مختلف موضوعات پر مقالات پیش کئے، آخر میں حضرت صدر جامعہ مدظلہم کا تفصیلی خطاب ہوا، جس میں آپ نے جامعہ اور بانی جامعہ کے تعارف کے ساتھ ساتھ مختصر طور پر جامعہ کی خدمات بھی پیش فرمائیں اور دعا فرمائی۔

۲ ربیع الاول: حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے جامعہ ہذا میں اصلاح و تربیت کے حوالہ سے طلبہ و علماء میں انتہائی مفید بیان فرمایا۔

۳ ربیع الاول: ندرسہ عثمانیہ للبنات جھنگ میں اصلاحی تربیتی بیان فرمایا۔
۴ ربیع الاول: جامع مسجد عثمانیہ میں جمعہ کے موقع پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے مفصل بیان فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی، عصر کے بعد جامعہ ہذا میں درس قرآن کریم دیا۔
۶ ربیع الاول: ندرسہ علوم شرعیہ جھنگ میں حضرت مولانا سید صادق حسین صاحب قدس سرہ کی سوانح ”نقوش صادق“ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر خصوصی خطاب فرمایا۔

۷ ربیع الاول: چک ۱۱ کی ایک تقریب میں اصلاحی و تربیتی بیان فرمایا۔
۸ ربیع الاول: چک ۵۵ کی ایک تقریب میں اصلاحی و تربیتی بیان فرمایا۔
۱۱ ربیع الاول: جامع مسجد عثمانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی، عصر کے بعد جامعہ ہذا میں درس قرآن دیا۔

۱۲ ربیع الاول: بعد نماز مغرب چک ۱۲ جنوبی میں اور عشاء کے بعد مسجد عمر سلاٹوالی میں اصلاحی درس دیا۔

۱۳ ربیع الاول: جامعہ نعمانیہ بھاگٹا نوالہ میں سالانہ جلسہ کے موقع پر خطاب فرمایا۔



- ۱۵ ربیع الاول: مدرسہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور مدرسہ دارالعلوم امیر عزمیت فروکہ میں چار طلبہ کے حفظ قرآن کے ختم کے موقع پر آخری سبق پڑھایا اور بیان فرمایا۔
- ۱۶ ربیع الاول: مدرسہ مدادیہ فتحیہ سلاوالی میں ماہانہ درس قرآن کریم ارشاد فرمایا۔
- ۱۸ ربیع الاول: جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی۔
- ۲۰ ربیع الاول: بھل ضلع بھکر میں مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر خطاب فرمایا۔
- ۲۱ ربیع الاول: چک ۳۳ جنوبی سرکودھا کے جلسہ میں اصلاحی و تربیتی بیان فرمایا۔
- ۲۲ ربیع الاول: مدرسہ مدینۃ العلوم سرکودھا میں ماہانہ درس قرآن کریم ارشاد فرمایا۔
- ۲۳ ربیع الاول: چاندی بلوچاں کے جلسہ میں اصلاحی و تربیتی بیان فرمایا۔
- ۲۵ ربیع الاول: چک ۳۳ راور چک ۲۵ شمالی سرکودھا میں بیانات فرمائے۔
- ۲۶ ربیع الاول: حضرت مدظلہم اور جامعہ کے صدر مدرس نے جوڑاں کلاں میں سالانہ جلسہ کے موقع پر بیانات فرمائے۔
- ۲۷ ربیع الاول: جامعہ کے صدر مدرس اور قاری سید عبدالودود ترمذی صاحب مدظلہم نے دوکا بلوچاں ضلع جھنگ میں جلسہ کے موقع پر بیانات فرمائے۔
- صدر جامعہ نے عشاء کے بعد نہنگ میں ایک جلسہ سے خطاب فرمایا۔
- ۲۸ ربیع الاول: جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ، محلہ عباس پورہ، تحصیل ساہیوال میں حضرت صدر جامعہ مدظلہم کی سرپرستی میں ایک جلسہ ہوا، جس میں خصوصی خطاب مناظر اسلام حضرت علامہ محمد عبدالغفار تونسوی صاحب مدظلہم کا ہوا، ان کے علاوہ مولانا شاہد مسعود صاحب اور مولانا ظفر اللہ صاحب نے بھی بیانات فرمائے۔



نعت النبی ﷺ

آپ کے آنے سے جاگے زندگی کے قافلے
 ہر اندھیرے گھر میں اترے روشنی کے قافلے
 سلسلے عقل و خرد کے نہ مروتی کے قافلے
 آپ تک پہنچے تو پہنچے بے خودی کے قافلے
 ذہن و دل نطق و بیاں لوح و قلم کے واسطے
 نعت کے الفاظ ہیں پاکیزگی کے قافلے
 ان کے اصحاب جنوں سے فیض لینا چھوڑ دیں
 اتنے بے حس بھی نہیں ہیں آگہی کے قافلے
 ان کا ہکا سہا تبسم کیا فسوں دکھلا گیا
 عمر بھر دل میں نہ دیکھے بے کلی کے قافلے
 آپ ہی امت کے رہبر آپ ہی منزل فہم
 آپ ہی کا کارواں ہے آپ ہی کے قافلے



نعت النبی ﷺ

بڑھے، کچھا اور بڑھے، قلب و جاں کی پیاس حضور
 اسے پھر اور کوئی لطف، لطف کیا دے گا
 ترے مقام کی رفعت کو عشق جا پہنچا
 حضور! اب کوئی چارہ نہیں رتقا کے سوا
 ترے کرم کو کوارا یہ ہو نہیں سکتا
 حضور! جیسے بھی ہو در پہ حاضری ہو عطا
 حضور! حشر میں رسوا نہ ہونے دیجے گا
 میں تیرا نغمہ سرا، اور تیرے مذہب میں
 پہنچ گیا ہوں کہیں تیرے آس پاس حضور
 جسے عطا ہو ترے درد کی مٹھاس حضور
 بھٹک کے رہ گیا رستے میں ہی قیاس حضور
 کہ ضبط توڑ چلی شدت ہر اس حضور
 ترا غلام رہے عمر بھر ادا اس حضور
 ترے حضور، فقط یہ ہے التماس حضور
 کہ تیرے ہاتھ ہے ہم عاصیوں کا پاس حضور
 کوئی وجود ہی رکھتی نہیں ہے پاس حضور

ترے فہم کو تجھ سے بڑی امیدیں ہیں
 خدا کرے کبھی ٹوٹے نہ اس کی آس حضور

